

کیا فقہ اسلامی قرآن و حدیث سے متصادم ہے؟

مولانا محمد ابو بکر شیخوپوری

سابق استاذ التفسیر جامعہ اسلامیہ امدادیہ، چنیوٹ

یہ بات اہل سنت والجماعت کے مسلمات میں سے ہے کہ ایک مسلمان کے لیے دنیا اور آخرت میں جو چیز نجات دہندہ اور عملی زندگی میں دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن مجید اور حضور سرور کائنات ﷺ کی مبارک سنن اور احادیث ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ دنیا سے پردہ فرماتے وقت یہی دو چیزیں اپنی امت کو بطور میراث حوالے فرما کر گئے۔ مؤطا امام مالکؒ میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ماتمسکتکم بہما کتاب اللہ وسنتی“... ”میں تم میں (بطور میراث علمی) دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان پر کاربند رہو گے، تم گمراہ نہیں ہو گے: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت ہے۔“

قرآن و حدیث میں بنیادی طور پر دو طرح کے مضامین بیان کیے گئے ہیں: پہلی قسم کی نصوص وہ ہیں جن میں مبداء و معاد، حشر و نشر، عبرت و نصیحت، وعدہ و وعید، فنایت دنیا اور بقاء عقبی وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے، جبکہ دوسری قسم کی آیات و احادیث طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خرید و فروخت، تقسیم میراث و دیگر احکام و مسائل سے متعلق ہیں۔ اول الذکر کے متعلق سورۃ القمر میں فرمان باری تعالیٰ ہے: ”وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ“... ”ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔“ آیت میں مذکور ”لِلذِّکْرِ“ کی قید اس امر کی صریح دلیل ہے کہ صرف عبرت و نصیحت سے متعلق نصوص ہی عامی شخص کا موضوع ہیں، یعنی ان مخصوص مضامین کو معمولی سمجھ رکھنے والا شخص بھی بلا تدبر و تفکر دل و دماغ کے آئینے میں اُتار کر ان کی فہم تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ ثانی الذکر نصوص کے مخاطب عوام نہیں، بلکہ فقہاء کرام، مجتہدین عظام، راہنہ فی العلم اور مستنبطین ہیں، جو خدا داد فہم و فراست اور ذکاوت و ذہانت کے سبب مشکل اور دقیق مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔ نسخ و منسوخ کی پہچان، علل روایات اور اختلاف آثار کی

اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے کم کر دیتا ہے۔ (قرآن کریم)

وجوہات پر واقفیت، سیاق و سباق سے ربط، آیات قرآنیہ کے اسباب نزول اور احادیث نبویہ کے شان و رود کی معرفت اور فقہی قواعد و ضوابط پر کامل دسترس کی بنیاد پر نصوص کے درمیان واقع ہونے والے ظاہری تعارض کو حل کرتے ہوئے قرآن و سنت کی صحیح اور بر محل تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ کوئی حکم کسی فرد کے ساتھ مخصوص ہو یا بعد میں نازل ہونے والے حکم سے منسوخ ہو، اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں ظاہری طور پر موجود ہی نہ ہو تو اشتراک علت کی بنا پر کسی منصوص مسئلے پر قیاس کر کے اس پر منصوص کا حکم لگاتے ہیں۔ بسا اوقات قرآن و حدیث میں کوئی لفظ متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے، اس کے کسی ایک معنی کو مضبوط دلائل اور قوی قرائن سے متعین کرتے ہیں۔ اس مبارک مشغلے اور خوبصورت فن کو ”فقہ“ اور ”اجتہاد“ اور اس کے حامل کو ”فقہیہ“ اور ”مجتہد“ کہا جاتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

فقہ بظاہر قرآن و حدیث سے الگ تیسری چیز بلکہ منکرینِ فقہ کے نزدیک شریعت سے متصادم نظریے کا نام ہے، لیکن درحقیقت یہ قانونِ شریعت کی ایک آسان دستاویزی شکل ہے۔ فقہاء کرام کا اُمت پر یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے ہر ہر آیت اور حدیث کی گہرائی میں اتر کر اصول و ضوابط کی روشنی میں نصوص کی تنقیح فرمائی اور پھر ابواب اور فصول کی ترتیب سے مسائل کو یکجا کر کے خوبصورت گلدستے کی شکل میں عوام الناس کے سامنے پیش کیا، تاکہ عملی زندگی میں جب بھی انہیں شریعت سے راہنمائی مطلوب ہو تو کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

فقہ کی اہمیت

فقہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی ضرورت کا ادراک کرتے ہوئے خود قرآن کریم نے اس عظیم مقصد کے لیے ایک مستقل جماعت کی تشکیل کو ناگزیر قرار دیا ہے، چنانچہ سورۃ التوبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔“

”اور مومنین کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ سب کے سب (جہاد کے لیے) نکل پڑیں، ایسا کیوں نہ

ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے، تاکہ وہ (ادھر رہنے والے) دین میں سمجھ بوجھ

حاصل کریں اور جب وہ (جہاد کے لیے جانے والے) ان کی طرف واپس لوٹ آئیں تو

انہیں ڈرائیں، تاکہ وہ بچتے رہیں۔“

اس کا منشا یہ ہے کہ دین کی دو بنیادی ضروریات ہیں: ایک غلبہ دین اور دوسری فہم دین، اور یہ طے شدہ امر ہے کہ غلبہ دین کا مدار فہم دین پر ہے، اس لیے باری تعالیٰ نے تاکید فرمائی کہ ایک جماعت غلبہ دین کے سلسلہ میں جہاد کے لیے نکل پڑے اور دوسری فہم قرآن و سنت کے لیے اپنے مقام پر ہی رہے، تاکہ دین کے دونوں شعبے جاری رہیں۔

فقیہ کا مقام و مرتبہ

علم فقہ کی افادیت کے پیش نظر اس محبوب مشغلہ کے لیے اپنی حیاتِ مستعار کے قیمتی لمحات وقف کرنے والے خوش نصیب افراد کو بہت سے فضائل و مناقب سے نوازا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

”مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا“ (البقرہ: ۲۶۹)
 ”جس شخص کو حکمت عطا کی گئی اس کو بہت زیادہ بھلائی عطا کی گئی۔“

حکمت کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں: ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ: اس سے فقہ مراد ہے۔ گویا کہ باری تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ اس کی بھلائوں اور خوبیوں کو سمیٹنے والا شخص فقیہ ہے۔ صحیح بخاری، کتاب العلم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ“... ”جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں، اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں۔“ اس کے علاوہ کتب احادیث میں ”أبواب العلم“ کے تحت محدثین نے فقہاء کرام اور اہل علم کے فضائل و مناقب میں سینکڑوں احادیث نقل کی ہیں۔

حاصل کلام

ان تمام تر تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ فروعی مسائل کی تحقیق و تخریج کوئی معمولی اور آسان کام نہیں کہ ہر کس و ناکس اس مشغلے میں لگ جائے اور جمہور کے متفقہ مسائل سے انحراف کر کے اُمت کو نئی راہ پر لگا دے۔ اجتہاد کی صلاحیت اور استنباط کے ملکہ سے محروم شخص کے بس کا یہ کام ہے اور نہ اسے اس لائق و دق صحراء میں قدم رکھنا چاہیے۔ ”جس کا کام اسی کو ساجھے“ کے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے یہ کام فقہاء کرام کے سپرد کرنا چاہیے، جو اس فن کے ماہر اور رموزِ شریعت کے شناور ہیں، ورنہ شریعت کے معاملے میں خود رائی سے ہدایت کی بجائے گمراہی پھیلنے کا اندیشہ بلکہ یقین کامل ہے۔ ابن جوزیؒ نے ”تلبیس ابلیس“ میں ایک عامل بالحدیث کا واقعہ تحریر کیا ہے کہ وہ جب بھی استنبج سے فارغ ہو کر آتا بغیر وضو کیے وتر کی نیت باندھ لیتا۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگا کہ میں نبی کریم ﷺ کی حدیث ”مَنْ“

یہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں، اصل زندگی تو آخرت کا گھر ہے۔ (قرآن کریم)

اسْتَجْمِرَ فَلْيُتَوَّزْ“ (جو شخص استنجا کرے اس کو چاہیے کہ وتر پڑھے) پر عمل کرتا ہوں، حالانکہ اس حدیث میں ”فَلْيُتَوَّزْ“ سے مراد وتر پڑھنا نہیں، بلکہ طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرنا ہے۔ ایک اور شخص کا واقعہ لکھا کہ وہ اپنے کنویں سے کسی دوسرے کو کھیت میں پانی نہیں لگانے دیتا تھا، وجہ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں نبی کریم ﷺ کی حدیث ”لَا يَسْقِي أَحَدَكُمْ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ“ (کوئی شخص اپنے پانی سے کسی دوسرے کی کھیتی کو سیراب نہ کرے) پر عمل کرتا ہوں، حالانکہ اس حدیث میں ”مَاءَهُ“ سے مراد مٹی اور ”زَرْعَ“ سے مراد شرمگاہ ہے، مطلب حدیث پاک کا یہ ہے کوئی شخص دوسرے کی باندی سے صحبت نہ کرے۔ یقیناً یہ غلطی اس کو خود رائی کی وجہ سے لگی، اگر کسی ماہر شریعت سے راہنمائی حاصل کر لیتا تو حدیث کے اصل مرجع اور مقصد تک پہنچ جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکابر و اسلاف کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے فہم کے مطابق قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

